عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

شوال ۱۴۲۳ھ / دسمبر ۲۰۰۲ء

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے۔

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

خط و کتابت کا پتہ: مکان p-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

ابتدائیہ

فلاسفہ مدنیت کے مطابق انسان معاشرتی حیوان (gregraious) ہے۔ یہ اجتماعیت پسند ہے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گذارنا چاہتا ہے، اور اپنے اہم کاموں کو اکٹھا ہو کر سرانجام دینا چاہتا ہے۔ انسان کے اسی جذبے نے اس سے تہوار منانے کی رسم شروع کروائی۔ تہوار انسانوں کی تہذیب وثقافت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، جن کے ذریعے ان کے مقاصد اور ترجیحات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جن کاموں کو انسان اجتماعی طور پر کرتے ہیں ان کا معاشرے پر ایک اثر (impact) آتا ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام کے تہوار موسموں، کچھ بے مقصد تاریخی واقعات اور کچھ دیومالائی تصورات کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور ان کے منانے میں کھیل تماشوں، تفریح، فحاشی وعریانیت، اور جوئے وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تفریح اور جائز کھیلوں کو تو اسلام نے بھی منع نہیں کیا، لیکن ساری قوم کا مل کر تہوار کی شکل میں مقصد بنا کر ان میں لگنا ذہنی صحتمندی کی علامت نہیں ہے، جائز تفریح اور کھیل کو بھی انفرادی ترتیب پر ہونا چاہئے۔

شریعت اسلامیہ نے دو موقعوں کو تہوار کے طور پر منایا ہے جو کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی شکل میں ہیں۔ جن کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر آپؐ کو بتایا گیا کہ اہل مدینہ کچھ دنوں میں تہوار مناتے ہیں جن میں کھیل تماشے اور تفریح وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو موقوف کر کے یہ دو تہوار دیے جن میں عیدالفطر تو ذکر وفکر وعبادت اور تزکیہ کے مختصر نصاب (short course) کی تکمیل کے بعد منائی گئی جبکہ عیدالاضحیٰ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یادگار اور مناسک حج کے مکمل ہونے کی خوشی میں منائی جاتی

ہے۔ ہر دو تہواروں میں اجتماع عبادت پر ہوتا ہے۔ دونوں موقعوں پر صدقہ فطر اور قربانی کے گوشت کی شکل میں غرباء کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔

فکر اور غم کی بات ہے کہ آجکل کفار کے تہوار بسنت، نیو ایئر نائٹ اور ویلنٹائن ڈے وغیرہ منانے کا رواج ہو چلا ہے۔ بعض جگہ نو عمر طلباء کو سرخ رنگ پھینک کر ہولی مناتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔ ایسے تہواروں سے تو کفر کی تہذیب و ثقافت کو غلبہ دینا اور اپنی روایات کو کمزور کرنا ہے۔ چنانچہ پہلے بزرگوں کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ ایک صالح شخص کی وفات کے بعد اسے ایک دوسرے بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ بہت اچھی حالت میں ہیں لیکن ہونٹوں پر ایک چھوٹا سا سانپ ہے جو ڈس رہا ہے۔ خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے! تو اس آدمی نے جوب دیا کہ ایک دن ہندو ہولی منا رہے تھے اور پچکاریوں سے رنگ ایک دوسرے پر پھینک رہے تھے۔ میں پان کھاتے ہوئے وہاں سے گذرا تو ایک گدھے پر میں نے پان کا سرخ تھوک پھینکتے ہوئے کہا کہ چل تیری بھی ہولی ہوگئی۔ ہنود کے مذہبی تہوار میں اتنی شمولیت پر یہ عذاب ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ سے کسی نے دریافت کیا ''انگریز کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا خلاف فطرت ہے، کیونکہ انسان دڑھی کے بغیر ہی پیدا ہوا ہے اس لیے داڑھی کے بغیر ہی رہنا چاہیئے''۔

مولانا نے تبسم فرماتے ہوئے کہا '' پھر تو انگریزوں کو چاہیئے کہ اپنے سارے دانت توڑ دالیں کیونکہ انسان بغیر دانتوں کے پیدا ہوتا ہے۔ دانت بھی تو بعد میں نکلتے ہیں''۔ مجلس میں سے ایک صاحب بولے ''واہ مولانا نے کیا دندان شکن جواب دیا ہے''۔

مولانا محمد اشرف خان
ضبط: پروفیسر شیر حسن

دین پر استقامت کیسے نصیب ہو؟

اگر کسی فن میں مہارت حاصل کرنا ہوتی ہے تو اس کے اصولوں کو جاننا پڑتا ہے اور اس میں اشتغال رکھنا پڑتا ہے اور اس اشتغال کو طبیعت کے چاہنے یا نہ چاہنے پر نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ حصول کی نیت سے اس میں لگا رہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ جو شخص کسی فن کو اصولوں کے ساتھ سیکھتا ہے اور اس میں اشتغال رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس فن کو کھولتے ہیں۔ اور جب چمٹ کے لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور دیتا ہے۔

استقامت کی کلید عزیمت ہے کہ کسی عمل کو جی چاہنے پر نہ چھوڑے بلکہ ہمت کر کے اس کو کرتا رہے تو اس سے انسان میں قوت ارادی پیدا ہوگی کہ جس کے آگے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ قوت ارادی کی مضبوطی ممارست عمل ہے۔ مبتدی کے لیے ارادہ کی پختگی کے لیے ابتدائی منزل میں آسان طریقہ یہ ہے کہ جب کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کو مؤخر نہ کرے بلکہ جس وقت کسی خیر کا ارادہ ہو تو فوراً اس پر عمل کرے۔ تاخیرِ عمل سے ضعف پیدا ہوگا۔ شیطان بھی درمیان میں اڑنگا اڑاتا ہے اور نفس بھی اپنی چلاتا ہے۔ مثال کے طور پر جی نہیں چاہتا کہ دو رکعت نفل پڑھ لوں تو جائز وقت کے اندر فوراً پڑھ لیں اور تاخیر نہ کریں، شیطان کا ایک مکر یہ ہے کہ اول تو نیکی پر آنے نہیں دیتا اور جب کوئی نیکی پر آتا ہے تو اس میں سستی کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب شیطان کسی نیک عمل کے کرنے میں سستی کرنے کا مشورہ دیتا ہے تو اس کو کہو کہ تو اپنی طاقت آزما اور ہم اپنی طاقت آزمائیں گے۔ ایسی حالت نہ ہو کہ

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

ترجمہ: ہر رات یہ کہتا ہوں کہ کل یہ سودا چھوڑ دوں گا، لیکن جب کل ہوتی ہے تو

میں آج کو کل کر دیتا ہوں۔

بلکہ معاملہ ایسا ہے جیسے دکانداروں کا معمول ہوتا ہے کہ آج نقد کل ادھار۔
حضرت سید سلیمان ندویؒ کا قول ہے کہ ایک بزرگ استنجا کے لیے تشریف لے گئے، خادم بھی ساتھ تھا۔ بیت الخلاء کے اندر سے خادم سے کہا کہ یہ قمیص فلاں بزرگ کو دے دو۔ بعد میں خادم نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ بیت الخلاء سے نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ کہا کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ قمیص فلاں کو دے دو، تو ہوسکتا تھا کہ باہر نکلنے کے بعد نیت بدل جاتی، اس لیے فوراً عمل کیا کہ بعد میں شیطان کچھ اپنی نہ چلائے۔ دودھ کے پھٹنے اور نیت کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ میں بیت الخلاء سے باہر زندہ نکل سکوں گا۔ اپنے ہاتھ کا مٹھی بھر دیا ہوا، مرنے کے بعد پہاڑ کے برابر دینے سے بہتر ہے۔ نفسیات کے لحاظ سے بھی یہ بات ہے کہ قوت عمل کے حصول کے لیے ارادہ کی پختگی کی ضرورت ہے ورنہ جب ارادہ کو مؤخر کرتے چلے جاؤ گے تو ارداہ میں دیمک لگ جائے گی۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے جو صفات رکھی ہیں، ہر صفت اپنے رخ پر عمل کرتی ہے۔ نفس کی مثال دودھ پیتے بچے کی سی ہے۔ جس طرح بچے کو ماں زبردستی دودھ سے نہ چھڑائے تو وہ دودھ پینا بند نہیں کرتا اسی طرح انسان عمل پر بغیر عزیمت کے نہیں پڑتا۔ انسان کا نیکی کا پختہ ارادہ کرنے پر توفیقات الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جب آپ پختہ ارادہ کریں گے تو ارادے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے گی۔ شر کا ارادہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا شامل حال نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کو پکڑ کر اس شر کو کرنے سے روکے گا بھی نہیں کیونکہ پھر خیر و شر کی حکمت کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. (الکھف: ۲۹)

ترجمہ: پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی نہ چاہے نہ مانے۔

اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتے لیکن جب کوئی خود اپنی مرضی سے کافر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی کہتے ہیں کہ جاؤ اپنا سر کھاؤ۔ ارادہ وہ چیز ہے جس کا انسان کو مکلّف بنایا گیا ہے۔ جب انسان ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا کے دروازے کو کھولتا ہے، ارادہ میں پختگی پیدا کرو، جب ارادہ خیر کا ہو تو اس میں دیر نہ کرو۔

ع درکارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست

اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کا نام استخارہ ہے، جب تو خیر ہی کر رہا ہے تو اس میں استخارے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت زین العابدینؒ بہت بڑے سخی اور جواد تھے۔ سادات کی صفت ہی جود و سخا ہے۔ انھوں نے کسی کی دعوت کی اور بہت کچھ سامان خوراک تیار کیا۔ اس آدمی نے کہا کہ **لا خیر فی لاسراف** (اسراف میں کوئی خیر و نیکی نہیں) حضرت نے اس کا جواب یوں دیا کہ **لا اسراف فی الخیر** (کہ نیکی کرنے میں اسراف ہے ہی نہیں)۔ جتنی زیادہ نیکی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ تکثیر عمل خیر (نیک اعمال کی کثرت) ارادہ کی پختگی کی بناء پر اللہ کی توفیقات سے میسر آتی ہے۔ اگر راستہ سے کوئی ایذا کی چیز ہٹا سکتے ہیں تو اس کو بھی ہٹاؤ۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو معمولی نہ سمجھو اور نہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو معمولی جانو۔ پیسے پر پیسہ جمع کرتے جاؤ گے تو مالدار ہو جاؤ گے، پتھر پر پتھر رکھو گے تو عمارت بن جائے گی، نیکی پر نیکی کرو گے تو متقی ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ارادہ پختہ کرنے کے بعد اس میں سستی نہ ہو، اگر اس میں سستی آنے لگے تو سستی کا علاج چستی ہے۔ مثلاً فجر کی نماز کے لیے اٹھنا ہے، شیطان خوب محنت کرتا ہے کہ سوتے رہو، رات بہت لمبی ہے، ابھی فجر ہونے میں کافی وقت باقی ہے، اسی طرح شیطان فجر کی نماز قضاء کرا دیتا ہے۔

اقبال کہتا ہے

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے!

ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمھیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے

تمہیں کہہ دو یہی آئین وفاداری ہے

فجر کے وقت فوراً بستر سے کود پڑو، اچھل پڑو، ایک دفعہ جب سستی ہو جاتی ہے تو سستی سستی کو کھینچتی ہے اور چستی چستی کو کھینچتی ہے۔ غفلت پختہ ہوتے ہوتے آخر توفیق خیر سلب ہو جاتی ہے۔ ایک دن سستی ہوگئی لیکن ندامت کے آنسو بہہ گئے تو اس ندامت قلبی سے شیطان پیچھا چھوڑ دے گا۔ شیطان یہ نہیں چاہتا کہ تم نیک بن جاؤ۔ اگر تم نیکی پر جمے ہوئے ہو تو بڑی نیکی سے چھوٹی نیکی پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ ایک رات سوئے ہوئے تھے کہ تہجد کے وقت کسی نے پاؤں ہلائے کہ امیر المؤمنین اٹھئے، تہجد کا وقت ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ بہت زیرک تھے فوراً ہاتھ پکڑ لیا، پوچھا کہ کون ہو اس نے کہا کہ خادم ہوں۔ فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک بتا کہ تو یہاں تک کیسے پہنچا؟ آخر جب خوب تنگ کیا تو کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تیرا نماز پڑھوانے کے ساتھ کیا تعلق؟ کہا کہ تو امیر المؤمنین ہے، میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تیری تہجد کی نماز قضا ہو جائے۔ کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہا کہ پچھلی رات جو تیری تہجد قضا ہوگئی تھی اور اس پر جو ندامت اور پشیمانی تم کو ہوئی اس کا ثواب تہجد کے پڑھنے سے کئی گنا زیادہ مل گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس رات پھر قضا ہوگئی تو مزید ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے پھر بہت زیادہ ثواب ملے گا، اس لیے آپ کو اٹھایا کہ تہجد میں اس ثواب سے جو نہ پڑھنے اور ندامت کی وجہ سے آپ کو ملتا کم ثواب ملے گا۔ شیطان کا کام پتنگ کے کاٹنے کی طرح ہے، جیسے پتنگ کو کاٹتے ہیں اور پھر اس کو پکڑتے ہیں، ایک ہاتھ مارتا ہے، دوسرا ہاتھ مارتا ہے، پتنگ

پھٹ جاتی ہے اور کسی کے کام نہیں آتی۔ یہی حال شیطان کا ہے کہ اولاً تو نیکی کرنے نہیں دیتا اور اگر کوئی کرنے لگ جاتا ہے تو اس کو خراب کر دیتا ہے۔ قرآن مین آتا ہے کہ تم مکّہ کی اس بوڑھی عورت کی طرح نہ ہو جاؤ کہ سارا دن سوت کاتتی تھی اور رات کو اس کو ادھیڑ دیتی تھی۔ یہ حال شیطان کی طرف سے ہے۔

☆☆☆☆☆

برخ حبشی غلام کے احوال میں (جس کے طفیل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باران رحمت کی دعا مانگی تھی) لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ برخ اچھا بندہ ہے مگر اس میں ایک عیب ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ الٰہی اس کا عیب کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کو نسیم صحرا اچھی معلوم ہوتی ہے اور اس کی طرف رغبت کرتا ہے۔ اور جو شخص مجھ سے محبت کیا کرتا ہے وہ کسی چیز کی طرف رغبت نہیں کیا کرتا۔

☆☆☆☆☆

روایت ہے کہ ایک عابد نے خدائے تعالیٰ کی عبادت مدت تک کسی جنگل میں کی۔ پھر ایک پرند کو دیکھا کہ ایک درخت پر آشیانہ بنایا ہے اور اس میں بیٹھ کر چہچہے کرتا ہے۔ عابد نے کہا کہ اگر میں اپنی عبادت کی جگہ اس درخت کے پاس کر لوں تو اس پرندے کے چہچہے سے کچھ دل لگی ہو۔ جب عبادت کی جگہ اس درخت کے پاس کر لی تو خدائے تعالیٰ نے اس وقت کے نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے کہہ دے کہ تو نے ایک مخلوق سے انس کر لیا ہے اس کی سزا میں میں نے تیرا ایسا درجہ کم کر دیا ہے کہ اب کسی عمل سے کبھی نہ ملے گا۔

ڈاکٹر فدا محمد
ضبط: ڈاکٹر شاکر

بیان ختم القرآن (تراویح)

محترم بھائیو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ساری مخلوقات میں سے انسان کو اشرف اور بہتر بنایا ہے۔ اور انسان کو اپنی خلافت اور معرفت کے لیے چنا۔ کہ اللہ تعالیٰ زمین پر جو چاہتے ہیں وہ انسان کرے، وہ اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر ان چیزوں کو نافذ کرے۔ اب انسان کی دو بقائیں ہیں، ایک بقائے شخصی اور ایک بقائے نوعی۔ بقائے شخصی یہ ہے کہ کسی کی ذات باقی رہے اور بقائے نوعی یہ ہے کہ اس کی نسل باقی رہے۔ بقائے شخصی اور بقائے نوعی کے بعد انسان نے خلافت کا کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بقائے شخصی، بقائے نوعی اور خلافت تین باتوں کے لیے دو نظام بنائے ہیں۔ ایک نظام تو بقائے شخصی اور بقائے نوعی کے لیے ہے اس کو نظام معیشت کہتے ہیں، کہ انسان کھائے پیئے اور اس سے زندہ رہے اور اس کی نسل بھی آگے بڑھے۔ تو میں نے جو آیت پڑھی اس میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی، زندوں کو اور مردوں کو۔

نظام معیشت کے لیے تو زمین کو پیدا کیا اور اس میں زندہ انسانوں اور مردہ انسانوں کی جتنی ضروریات ہوسکتی تھیں ان کی استعداد رکھ دی۔ ایک ہی بار جب اس کو پیدا کیا تو قیامت تک آنے والے تمام زندہ و مردہ انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کی استعداد اس میں رکھ دی۔ ایک وقت ایسا تھا کی انسان اپنے کپڑے اور جوتوں کی ضرورت روئی، اُون اور چمڑے سے پوری کرتا تھا۔ آج کی آبادی کا دارومدار اگر صرف روئی، اون اور چمڑے پر ہوتا تو انسانوں کے پاس نہ تو پہننے کے لیے کپڑے ہوتے، نہ جوتے ہوتے

اور نہ سردی سے بچنے کا کوئی سامان ہوتا۔ لیکن جوں جوں تعداد زیادہ ہوتی گئی تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسا بندوبست فرمایا کہ پٹرولیم نکل آیا جو کپڑے کی ضرورت بھی پوری کر رہا ہے چمڑے کی بھی اور گرم لباس کی بھی۔ ہم جب چھوٹے تھے اس وقت چرخے پر سوت کاتتے تھے اور کھڈی پر کپڑا بنتے تھے۔ اس وقت ایک ہی جوڑے میں سارا سال گذارہ کرنا ہوتا تھا۔ اب تو انسانوں کے پاس دس دس جوڑے ہیں۔ اسی طرح مرغی اس وقت پکاتے تھے جب یا تو مرغی بیمار ہوتی تھی یا پھر خود بیمار ہوتے تھے۔ انڈا تو ڈھونڈنے سے بمشکل ملتا تھا، جبکہ اب صورتحال یہ ہے کہ انڈوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور منوں کے حساب سے مرغیاں پکائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ڈنمارک اور بیلجیم والوں نے اپنی اضافی مرغیوں کو سمندر میں گرایا، اور نیسلے کمپنی نے اپنی خوراک جب سمندر میں گرائی تو طوفان اور بڑی بڑی لہروں کے پیدا ہونے سے پاس سے گذرنے والی کشتیوں کے ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ تو آبادی کے زیادہ ہونے سے اللہ تعالیٰ نے غذا کی اتنی کثرت فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے،

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ہ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ہ

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی، زندوں کو اور مردوں کو۔

زمین انسانوں کی تمام معاشی ضرورتوں کو پورا کرے گی اگرچہ اس کے چپے چپے پر ہی وہ کیوں نہ بسنے لگیں۔

میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

ترجمہ: اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے صرف نام ہی نہیں سکھائے

کہ یہ شہتوت ہے، یہ سیب ہے، یہ گندم ہے وغیرہ۔ بلکہ آدم علیہ السلام کے دماغ میں کائنات کی چیزوں کا ایک علم ودیعت کر دیا اور ان کو ایک استعداد دے دی کہ جس دور میں انسان کی جتنی ضروریات ہوں گی اس کے لیے انسان اپنا ذہن استعمال کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر کھولتا جائے گا۔ ایندھن کو ہی دیکھیں کہ اگر اب تک لکڑی پر دارومدار ہوتا تو آج کے انسان کچی چیزیں کھاتے، لیکن ضرورت زیادہ ہونے پر کوئلہ نکلا اور ابھی کوئلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ پٹرولیم نکل آیا۔ ابھی پٹرولیم ختم نہیں ہوا کہ ایٹمی توانائی آ گئی۔

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی بقائے نوعی اور بقائے جنسی کے لیے معاشی نظام بنایا جو کہ قیامت تک انشاء اللہ کام کرتا رہے گا۔ لیکن اگر انسان کی صرف، معاشی ضروریات پوری ہوں اور اس کی رہنمائی ھدایت کے رخ پر نہ ہو تو یہ اپنی زندگی کو بھی جہنم بناتا ہے اور دوسروں کی زندگی کو بھی جہنم بناتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف ضروریات اور مفادات کو سامنے رکھ کر زندگی کی بنیادیں اٹھاتا ہے، اور ایک کا مفاد دوسرے سے ٹکراتا ہے۔ چنانچہ انسانوں نے جب بھی ھدایت کے بغیر زندگی گذاری ہے تو انھوں نے ایک دوسرے کا ایسا استحصال کیا ہے کہ ایک انسان نے جب دوسرے کو رب کہا تو اس نے اسے روٹی کا ٹکڑا دیا۔ فرعون ونمرود نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ فرعون نے یوں کہا کہ انا ربکم الاعلیٰ (مین تمہارا رب ہوں) انسان اس کے آگے جھکتے تھے اور اس کو سجدے کرتے تھے، تب انھیں روٹی کا ٹکڑا اور جان کی امان ملتی تھی۔ بادشاہوں کے درباروں میں اخبار نویس ہوتے تھے۔ جب وہ کسی کو ظلماً قتل کرتے تھے تو اخبار نویس لکھتا تھا، چوں پیمانہ زندگی او لبریز شد، ناگاہ شمشیر جہاں پناہ او از بار زندگی سبکدوش کرد۔ (یعنی: جب اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو عالم پناہ کی تلوار نے اس کو زندگی کے بوجھ سے فارغ کر دیا۔) گویا کہ باشاہ نے اسے قتل کر کے اور اس کے بچوں کو یتیم کر کے اس

پر احسان کیا۔تو زمین پر ایسا ظلم تھا۔ ہندو مت نے انسانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اور شودروں کے بارے میں یہ حکم تھا کہ اگر ''وید'' کے الفاظ ان کے کان میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دو۔اب تک شودروں میں اس کا ایسا اثر ہے کہ ہندوستان میں مولانا ابوالحسن ندویؒ نے ''جگجیون رام'' کو جو ہریجن یعنی شودروں کا نمائندہ تھا اور وزیر بھی تھا، کہا کہ اپنی قوم کو گراوٹ سے نکالو تو اس نے کہا کہ میں اس قوم کو کس طرح اٹھاؤں کہ اس کا تو یہ حال ہے کہ ہندوؤں نے ایک کنواں کھدوایا اور اعلان کیا کہ ہم ذات پات کی تمیز کو ختم کرتے ہیں شودر بھی اس کنویں کا پانی پی سکتے ہیں، ساتھ ہی چپکے چپکے یہ بات بھی پھیلا دی کہ اگر کوئی شودر برہمنوں کے اس کنویں پر آیا تو وہ اندھا ہو جائے گا، تو وہاں ڈر کے مارے کوئی شودر بھی پانی بھرنے نہیں گیا۔تو انسانوں نے اپنے جیسے دوسرے انسانوں کا یہ حال کیا۔اسی طرح ستی کی رسم ایجاد ہوئی کہ اگر ایک عورت کا شوہر مر گیا تو اسے بھی اس کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دیا۔ان تمام نظاموں میں، جو ہدایت کے بغیر تھے اکثر لوگوں نے تو فاقے کیے، ظلم سہے اور پیٹ کاٹے جبکہ چند طاقتور اور چالاک لوگوں نے ان کی محنت پر گل چھرے اڑائے اور مزے کیے۔تو ہدایت کے بغیر انسانوں کا یہ حال ہو جاتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۵

ترجمہ: پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ھدایت تو جو چلا میری ھدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یعنی یہ ھدایت انسانوں کے لیے ضروری ہوگی ۔ جب یہ ھدایت انسان کے پاس ہوگی تو پھر یہ ایسی چیز ہے جس میں تمام انسانوں کے مفادات کو بیک وقت دیکھ کر اللہ

تعالیٰ نے قانون دیا ہے، ان کی ضرورتوں، چاہتوں، تکالیف ہر چیز کو مدنظر رکھا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تو ظالم، کافر اور باغی کو بھی روزی دے رہا ہے اور یہی بات وہ اپنے خلیفہ سے بھی چاہتا ہے۔ تمام انبیاء کے پاس نظام ھدایت آیا یہاں تک کہ جب انسانیت ارتقاء کی منازل کو طے کر کے ایک خاص مقام تک پہنچ گئی تو اس کے پاس ابدی ھدایت آ گئی۔ جب انسان کی عمر چالیس سال کی ہو جاتی ہے تو اس کے کپڑوں کا ناپ ایک ہو جاتا ہے، اسی ناپ پر کپڑے سلتے رہتے ہیں۔ تو جب انسانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اپنے جوبن پر پہنچ گئی تو یہ پیغام آیا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ھدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔

فرقان سے مراد پرکھ ہے، یعنی یہ قرآن وہ چیز ہے جس سے حق و باطل کے درمیان پرکھ پیدا ہوتی ہے۔

اب نظام ھدایت کیا ہے، اور اس کو وجود میں لانے کا کیا طریقہ ہے؟ نظام ھدایت عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت پانچ شعبوں پر مشتمل ہے۔

عقائد میں پوری تفصیل ہے، جن میں توحید، رسالت اور آخرت بنیادی ستون ہیں۔ پھر جو احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں سارے کے سارے ماننے ہیں۔

عبادات میں نماز، روزہ، حج، زکواۃ، ذکر و مراقبہ، اعتکاف وغیرہ ہیں جن سے انسان کی شخصیت بنتی ہے۔

معاملات میں خرید و فروخت، نظام حکومت، معیشت، عدالتی نظام وغیرہ ہیں۔

اگر ساری دنیا کے ماہرین قانون، معیشت دان، ماہرین سیاست وغیرہ مل جائیں اور سو یونیورسٹیاں ہوں اور وہ سو سال تک کام کریں اور ہر سال پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے نکالا کریں تو بھی وہ شریعت نہیں دے سکتے ہیں جو قرآن نے دی ہے۔ جب قرآن کو پڑھا جاتا ہے تو اس کے مختلف حقائق سن کر انسانی دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی آسمانی ھدایت ہے۔ جب قاری صاحب قرآن میں طلاق کے مسائل پڑھتا ہے تو میرا دل اس وقت گواہی دیا کرتا ہے کہ واقعی یہ اللہ کی کتاب ہے۔ طلاق کے ایسے زبردست قوانین بیان کیے گئے ہیں اور ایسی جزئیات بتائی گئی ہیں اور معاشرے کو درست کرنے کی ایسی ترتیب بتائی ہوئی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

یہ جو پہلی آیت میں پڑھتے ہیں ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (یہ ایسی کتاب ہے جس مین شک نہیں ہے) یعنی ہم آگے ایک ھدایت کا نظام بیان کریں گے، ایک نظام زندگی اور اس کے نتائج بیان کریں گے۔ وہ نظام جب اپنی ترتیب کے ساتھ وجود میں آگیا تو وہ نتائج تمہارے سامنے آکر رہیں گے اور تم یہ بات ماننے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ اس میں شک نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ غزوہ خندق میں جب کافروں کے مقابلے میں بہت کم تعداد اور ہتھیاروں کے ساتھ مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا تھا تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرمارہے تھے کہ تم روم فتح کرو گے، تم ایران فتح کرو گے تو اس پر منافقین ہنستے تھے۔ لیکن یہ ہوکر رہا اور سارے انسانوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں چٹائی پر بیٹھا ہوا ایک شخص (حضرت عمرؓ) جس کے کرتے پر چودہ پیوند تھے ''ورلڈ آرڈر'' چلا رہا تھا۔ ایرانیوں کا مشہور جرنیل ہرمزان اسی حالت میں آپ کے سامنے گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت ہرمزان سے سوال کیا کہ ''ہرمزان تمھیں کیسے شکست ہو گئی؟'' تو اس نے جواب دیا کہ جب تک آپ کا اور ہمارا مقابلہ تھا تو ہم غالب تھے اور

آپ مغلوب تھے۔لیکن اب تم نے وہ زندگی اختیار کی ہے کہ ہمارا اور اللہ کا مقابلہ ہو گیا لہذا ہم مغلوب ہو گئے۔

تو وہ نتائج سامنے آئے۔اس ماحول میں جس کا ایمان نہیں تھا وہ اس بات کو مان نہیں سکتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔لیکن لاریب فیہ کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح روئی کو پٹرول میں ڈبو کر دیا سلائی قریب کریں تو آگ ضرور جلتی ہے، اسی طرح اگر ہم نماز قائم کریں، روزے کا نظام قائم کریں، حیا کا نظام قائم ہو، معیشت کا اسلامی نظام قائم ہو تو یقیناً نتائج سامنے آئیں گے اور کفر مغلوب ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کافر کو تمہارے سامنے ذلیل کر کے کھڑا کرے گا۔لیکن اگر مسلمانوں کی عورتیں کافر جیسی ہوں، معیشت کافر جیسی ہو، شکل اور لباس کافر جیسا ہو تو پھر کافر کیسے غالب نہ ہو گا!۔

میں فقرا کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی نے آکر بتایا کہ وزیر اعظم نے حکومت کی طرف سے سپریم کورٹ میں سود کے خاتمے کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی ہے۔تو ایک فقیر نے کہا کہ ''اب یہ لڑکی اس کی گردن پر چڑھ جائے گی''۔چند دنوں میں حکومت ختم ہوئی اور عورت اس کی گردن پر سوار ہو گئی۔تو یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب ہوتے ہیں جو خراب اعمال کے نتیجے میں آتے ہیں۔

تو دین کے پانچ شعبوں کو وجود میں لانا ہے، اور ان کے وجود میں لانے کے چھ طریقے ہیں۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

ترجمہ: وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی۔

تلاوت قرآن، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت، ان چار باتوں کو چھ طریقوں سے وجود میں لایا جاتا ہے۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، تزکیہء نفس کے لیے بیعت وتلقین، قانون نافذ کرنے کے لیے آئینی کوششیں اور ان ساری باتوں کی حفاظت کے لیے قتال کی شکل میں کمر باندھ کر کھڑا ہونا ہوتا ہے۔

ایک آیت مبارکہ میں آتا ہے وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۔(اور مقابلہ کر ان کا اس کے ساتھ بڑے زور سے) یعنی قرآن سے جنت کی رعنائیاں اور جہنم کی ہولناکیاں بیان کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور انسان کے ساتھ آخرت میں جو پیش آنے والا ہے اس کو بیان کرو تو کفار میں کھلبلی مچ جائے گی۔ فرانس کے صدر متراں کو رپورٹ ہوئی کہ تبلیغ کی محنت سے اس قدر لوگ مسلمان ہو رہے ہیں کہ کچھ عرصے بعد تمہارا ملک مسلمان اکثریت والا ہو جائے گا۔ تو امریکی صدر کے مشورے پر وہاں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے آنے والی جماعتوں پر پابندی لگائی گئی۔ تو یہ دعوت وتبلیغ وہ ہتھیار ہے جس سے بغیر تلوار چلائے قوموں کی قومیں متاثر کی جاسکتی ہیں۔ جب فتنہء تاتار میں مسلمان فوجیں شکست کھاگئیں اور بغداد کو برباد کر دیا گیا اور سروں کے مینار بنائے گئے تو اس وقت دعوت وتبلیغ نے تاتاریوں کو شکست دی اور کچھ عرصے میں ہی وہ مسلمان ہو کر اسلام کے خادم بن گئے۔ یہاں تک کہ تمام کے تمام تاتاری بحیثیت قوم مسلمان ہو گئے۔ یہ جو چیچنیا کے مجاہدین ہیں یہ وہ لوگ ہیں۔ اقبال نے اس موقعے کے متعلق یہ شعر کہا ہے

ہے عیاں یورش تاتار کے فسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

آٹھ سو سال تک ترکان عثمانی کی شکل میں ترکیہ میں انھوں نے اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ اور وہاں سلطان محمد فاتح جیسا آدمی نکلا جس نے قسطنطنیہ (استنبول) فتح کیا۔ اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو آدمی قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) کو فتح کرے گا اس کی سات پشتیں جنت میں جائیں گی۔ اسی طرح ترکان تیموری کی شکل میں ہندوستان میں چار سو سال تک انھوں نے اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ اور ان میں اورنگزیب عالمگیرؒ جیسا اللہ کا ولی نکلا جس نے پچاس سال تک شریعت نافذ کی۔

تو یہ دعوت و تبلیغ (جہاد کبیر) وہ ہتھیار ہے جس نے قوموں کو فتح کیا۔ پھر اس کے بعد **رجعنا من الجهاد اصغر الی الجهاد لاکبر** ہے۔ یعنی نفس کی تربیت کرنا اس کے اندر سے ظلم، عدوان، حسد، کبر، لالچ، کینہ، ریا نکالنے کے لیے کوشش کرنا اور محبت، ہمدردی، خیر خواہی، خدمت خلق، اخلاص پیدا کرنا۔ جہاد کبیر تو دعوت الی اللہ ہے، اور جہاد اکبر تربیت نفس ہے اور جہاد کا ایک شعبہ قتال ہے۔ ہم تو زمین پر امن و امان اور صلح و آشتی چاہتے ہیں لیکن باطل کی شوکت کو توڑنے کے لیے اور اگر باطل مسلح ہو کر مقابلے پر آجائے تو پھر مسلح جہاد کرنا ہوگا۔ جب قتال کا حکم نافذ ہو جائے تو پھر باقی شعبے وقتی طور پر موقوف ہو جاتے ہیں۔ غزوہ بدر میں مجاہدین سے روزہ تڑوا دیا گیا جبکہ غزوہ خندق میں چار نمازیں قضا ہو گئیں، کیونکہ اب وہ کام درپیش تھا کہ باطل کی گردن کو قوت سے مروڑنا اور توڑنا ہے تاکہ دنیا میں ظلم و استحصال کا خاتمہ ہو اور انسان کو انسانیت کا مقام ملے۔ دنیا میں اس کو امن و امان اور راحت والی زندگی ملے اور آخرت کی رعنائیاں اور خوشنمائیاں اس کا مقدر بنیں۔ اس کے لیے سب ساتھیوں سے درخواست ہے کہ کمر ہمت باندھ لیں۔ یہ ایک دن کی بات نہیں ہے بلکہ ایک مسلسل جدوجہد ہے۔ یہاں پشاور میں بفضلہ تعالیٰ سارا سال درس ہوتا ہے، ماہانہ اور ہفتہ وار مجالس ہوتی ہیں۔ آپ آئیں جائیں گے تو انشاء اللہ تبدیلی محسوس ہو گی، جن گناہوں سے نفرت ہے لیکن ان کا چھوڑنا مشکل ہے وہ چھوٹ جائیں گے۔ اور جب شخصیت صالح بن جائے گی تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا دروازہ کھلے گا اور آپ قبولیت دعا کا مظہر بنیں گے۔

☆☆☆☆☆

از: احیاء العلوم
امام غزالیؒ

دل میں موت کی یاد راسخ کرنے کا طریقہ

جاننا چاہیے کہ موت ایک خوفناک شے ہے، اس کا خطرہ عظیم ہے، لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں اور اس کے فکر و ذکر میں مشغول نہیں ہوتے اور اگر کوئی موت کا ذکر کرتا بھی ہے تو فارغ دلی کے ساتھ، بلکہ ایسے قلب کے ساتھ کرتا ہے جو دنیا کی شہوت میں مشغول ہو، اس لئے موت کے ذکر سے اس کے دل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

موت کی یاد دل میں راسخ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو موت کی یاد کے علاوہ ہر شے سے فارغ کرلے اور ہر وقت یہ خیال کرے کہ گویا موت اس کے سامنے موجود ہے، جیسے کوئی مسافر اگر خطرناک وادی طے کر رہا ہو یا سمندر کے سینے پر محو سفر ہو تو اس کی تمام تر توجہ سفر پر رہتی ہے، چنانچہ اگر دل میں موت کی یاد اس طرح رہے گی تو امید ہے کہ اثر انداز بھی ہوگی، اس صورت میں اس کا دل دنیا کی خوشیوں اور مسرتوں سے اعراض کرنے لگے گا۔ موت کی یاد کا مفید ترین طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے متعلق سوچے جو اس کے ہم عصر، ہم عمر اور ہمسر تھے اور اب موت کی آغوش میں چلے گئے ہیں، ان کی موت کا تصور کرے، پہلے وہ اسی کی طرح ایک زندہ وجود کے مالک تھے اور کاروبار حیات میں مشغول نظر آتے تھے، لیکن اب خاک کے بستر پر محو خواب ہیں، وہ لوگ کتنے اونچے مناصب پر فائز تھے، کتنے خوشحال اور فارغ البال تھے لیکن مٹی نے ان کے تمام مناصب اور مراتب مٹا دیئے ہیں، ان کی حسین صورتیں مسخ کر دی ہیں، ان کے اعضاء بکھیر دیئے ہیں اور اب وہ خود مٹی بن چکے ہیں، ان کی بیویاں بیوگی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، بچے یتیم ہیں، مال و جائیداد تباہ و برباد ہوگئی ہے، مساجد اور مجالس ان سے خالی ہیں، حتیٰ کہ اب ان کا کوئی ذکر بھی نہیں کرتا، گویا وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اگر ایک ایک

شخص کا اس طرح جائزہ لیا جائے اور اپنے دل میں اس کا حال، اس کے مرنے کی کیفیت، اس کی صورت، اس کی سرگرمیوں اور دوسری مصروفیات ذہن میں حاضر کی جائیں اور یہ سوچا جائے کہ وہ کس طرح زندگی میں غرق تھا اور موت کو فراموش کر چکا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ مجھے اسباب حاصل ہیں، میری قوت اور جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی، اسی لئے وہ ہر وقت لہو ولعب میں مشغول رہتا تھا اور موت سے غافل رہتا تھا جو اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی، زندگی میں وہ پہلے ادھر سے ادھر خرمستیاں کرتا نظر آتا تھا اور اب اس کے پاؤں ٹوٹ چکے ہیں، جسم کے تمام جوڑ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئے ہیں، زندگی میں وہ خوب زبان چلاتا تھا اور قہقہے بکھیرتا تھا اور آج کیڑوں نے اس کی زبان کھالی ہے اور مٹی نے اس کے دانت خاک کر دیئے ہیں، اپنے لئے عمدہ سے عمدہ تدبیریں کرتا تھا اور ان چیزوں کا بھی بہتر سے بہتر انتظام کرتا تھا جن کی آنے والے دس برسوں میں بھی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ اس وقت اس کے اور موت کے درمیان صرف ایک ماہ کا فاصلہ تھا اور اسے اس کا احساس بھی نہیں تھا' یہاں تک کہ ایسے وقت میں اسے موت نے آلیا جبکہ اسے اس کے آنے کی توقع بھی نہیں تھی اچانک موت کا فرشتہ اس کے سامنے آگیا اور اس کے کانوں میں جنت اور دوزخ کا اعلاج گونجا۔

یہاں پہنچ کر اپنے آپ پر نظر ڈالے کہ وہ بھی تو انہی لوگوں جیسا ہے اور اس کی غفلت کا عالم بھی وہی ہے جو ان کا ہے۔ لامحالہ اس کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ان کا ہوا۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جب مرنے والوں کا ذکر ہو تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر دن صبح و شام میں کسی نہ کسی مسافر کو آخرت کی طرف الوداع کہتے ہو اور اسے مٹی کے ایک گڑھے

میں چھوڑ آتے ہو، وہ مٹی کو اپنا تکیہ بناتا ہے' احباب کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور اسباب دنیا سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے۔

اگر ان افکار کے ساتھ قبرستانوں میں آنے جانے اور مریضوں کی مزاج پُرسی کرنے کا معمول بھی ہو تو موت کا خیال ہر وقت دل میں تازہ رہے گا بلکہ اتنا غالب آ جائے گا کہ اس کا نصب العین بن جائے گا۔ اس صورت میں یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ موت کی تیاری کرے گا اور اس دنیائے پر فریب سے کنارہ کش ہو گا۔ محض زبان سے موت کا ذکر کرنا یا اوپرے دل سے یاد کر لینا زیادہ سود مند نہیں ہے۔ جب بھی دل میں کسی اچھی چیز کا خیال پیدا ہو یہ سوچ لو کہ تمہیں اس سے جدا ہونا پڑے گا۔ ایک دن ابن مطیعؒ کی نظر اپنے گھر پر پڑی۔ انہیں یہ کچھ اچھا محسوس ہوا۔ اس احساس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگے بخدا اگر موت نہ ہوتی تو میں تجھ سے خوش ہوتا اور اگر ہمیں تنگ قبروں میں نہ جانا ہوتا تو ہم دنیا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے' پھر اس قدر روئے کہ بے اختیار چیخیں لگ گئیں۔

نوٹ: ہمارے حضرات آج کل کے کمزور قویٰ اور کمزور دل و دماغ والے لوگوں کے لیے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اپنے مربی اور شیخ کے مشورے سے روزانہ کچھ وقت مندرجہ بالا باتوں کا مراقبہ کریں تاکہ موت اس کے پاس صرف معلومات کی شکل میں نہ رہے بلکہ دھیان میں آ کر عمل پر ڈالنے والی چیز بن جائے۔ ڈاکٹر فدا صاحب کا یہ تجربہ ہے کہ بعض آدمیوں کو زیادہ مراقبے سے کیفیتِ اضمحال و افسردگی (depression) طاری ہوئی ، بر وقت مشورہ کرنے والوں کو تو روحانی علاج سے ہی فائدہ ہو گیا لیکن جو حضرات بر وقت مشورہ نہ کر سکے ان کو باقاعدہ طبی علاج (psychatric treatment) کرانا پڑا۔

مولانا محمد امین

صوفیائے کرام کے مقاصد اور اتباع شریعت

خانقاہی نظام سے صوفیائے کرام کے مقاصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان اپنے قلب کا ایسا تزکیہ کرلے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کچھ نہ رہے اور وہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه (البقرہ: ۱۲۵) (اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے بڑھ کے محبت ہے) کا سچا مصداق بن جائے اس کا اوڑھنا بچھونا اللہ کی محبت، اس کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا مرنا جینا سب اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہو۔ وہ جئے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، مرے تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ (الانعام:۱۶۲) ترجمہ آپ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز میری دیگر تمام عبادات میرا جینا میرا مرنا خالص اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہی کے لئے ہے۔ صوفیائے کرام چاہتے ہیں کہ انسان کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہو وہ خدا آگاہ و خدا شناس ہو۔ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہو جائے اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق راضی ہو جائے اور اس کی دنیا جنت نظیر بن جائے۔ بتلایئے ان مقاصد میں سے کونسا مقصد ہے جو کتاب وسنت کے خلاف اور شریعت سے ہٹا ہوا ہے؟

مذکورہ بالا مقاصد قرآن اور حدیث میں مکلّف سے مطلوب اور مامور بہا ہیں۔ کیونکہ ان مقاصد کا حاصل کرنا اور ان کو جزو زندگی بنانا اصل عبدیت ہے، جو تخلیق انسان کا مقصد اعظم ہے۔ تصوف اور اس کے اعمال واشغال کا اصل مقصد دین کی تکمیل اور خصوصاً ان وجدانی کیفیات اور ملکات کی تحصیل کے سوا اور کچھ نہیں ہے، جن کو کتاب وسنت ہی میں کمال ایمان واسلام کی ضروری شرط قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں

ان وجدانی کیفیات اور ملکات کا تذکرہ موجود ہے جو اہل ایمان کے لئے ضروری قرار دیے گئے ہیں اور جن کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں جو مقاصد صوفیائے کرام میں داخل ہیں۔

(۱) ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت۔ (۲) ان کے دل کی یہ حالت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اس میں خوف اور لرزش کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ (۳) ان کے سامنے جب آیات الٰہی کی تلاوت کی جائے تو ان کے نور ایمان میں اضافہ ہو۔ (۴) اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہوں اور یہ توکل اور اعتماد علی اللہ ہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہو۔ (۵) وہ ہر دم اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے خوف زدہ رہتے ہوں۔ (۶) اللہ تعالیٰ کا خوف ان پر اتنا غالب ہو کہ نیکی کرتے وقت بھی وہ ڈرتے ہوں کہ معلوم نہیں ہماری یہ نیکی قابل قبول بھی ہوگی یا نہیں۔ (۷) قرآن مجید کی تلاوت یا اس کی آیتیں سننے سے ان کے جسم کانپ جاتے ہوں اور ان کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی یاد کی طرف جھک جاتا ہو۔ (۸) ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہوں اور کسی حال میں بھی اس سے غافل نہ رہتے ہوں۔ (۹) ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ان کا حال ہو۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت سے ان کے دلوں میں سکون واطمینان حاصل ہو اور دن بدن ذکر اللہ سے ان کی حلاوۃ ایمان بڑھ رہی ہو۔

ان ہی ملکات اور وجدانی کیفیات کا حصول مقاصد صوفیا کرام میں داخل ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ حقیقی تصوف تزکیہء قلب اور کیفیت احسانی کے پیدا کرنے کا نام ہے۔ جو مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس شریعت ہے اور اس کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے۔ تصوف کی مستند کتب مثلاً احیاء العلوم، قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء وغیرہ کے

صفحے کے صفحے الٹ جائیے صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عملاً آپ کو صوفیاء کرام کی طرف سے کتاب وسنت پر عمل کی تلقین ملے گی۔ ذیل میں صوفیاء کرام کی کتابوں سے حفاظت شریعت اور اتباع سنت کی تلقین کے چند حوالہ جات نذر قارئین کیئے جاتے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے بزرگ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''یہ راہ تو صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تا کہ نہ تو شبھے کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔'' (تذکرۃ الاولیا)

حضرت علی روذباریؒ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

مذهبنا هذا مقيد باصول الكتاب و السنةوقال الجنيدؒ علمنا هذا مشيد بحديث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

ترجمہ: ہمارا مذہب کتاب وسنت کے اصول کا پابند ہے۔ نیز فرمایا ہمارا یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مضبوط ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ یہاں تک فرماتے ہیں۔

من لم يحفظ القرآن ولم يكتب الحديث لا يقتدى به فى هذا لامرلان علمناهذا مقيد با لكتاب و السنة (الرسالة القشيريه ص ٢٠. الاعتصام ص ٦٧ طبع بيروت)

ترجمہ: چونکہ ہمارا علم کتاب وسنت کا پابند ہے اس لئے جس شخص نے نہ قرآن یاد کیا ہو نہ حدیث لکھی ہو راہ طریقت میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

ملاحظہ فرمائیے! حضرت جنیدؒ کس زوردار طریقے سے فرما رہے ہیں کہ ہمارا

مذہب کتاب وسنت کا پابند ہے اور سلوک وطریقت کی راہ وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ یہی شخص مقتدیٰ بننے کے قابل ہے اور جسے کتاب وسنت سے حصہ حاصل نہ ہو وہ مقتدیٰ بننے کے قابل نہیں۔

حضرت بشر حافیؒ (م ۲۲۷ھ) جن کے فیض صحبت سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ مستفیض ہوئے اور جن کی تعریف میں اکابر علماء رطب اللسان ہوئے فرماتے ہیں۔ ''میں ایک مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے سب اقران (ہمعصروں) پر فوقیت و فضیلت کس وجہ سے دی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ تم میری سنت کا اتباع کرتے ہو اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو اور میرے صحابہ اور اہل بیت سے محبت رکھتے ہو۔'' (الاعتصام امام الشاطبی ص ۶۴ ج ۱)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد وعارف باللہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کے محبّ اور عاشق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اپنے اخلاق واعمال اور تمام امور میں سنن حبیب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔'' (الاعتصام ص ۶۳ ج ۱)

چوتھی صدی ہجری کے ایک شیخ کامل حضرت ابوبکر طمسنانیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی فضیلت بھی معلوم ہے کہ انہوں نے ہجرت میں سے سبقت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب وسنت کا ساتھ دے اور

اپنے نفس اور مخلوق سے دور رہے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے وہی سچا اور راہ راست پر ہے۔ (الرسالہ القشیر یہ۔ص:۳۱)۔

حضرت ابوعلی حسن بن علی جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آسان ہو جائے اور اس کے افعال سنت کے مطابق ہو جائیں اور اپنے احباب واخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جائے اور خلق اللہ کے لئے اس کا نیک سلوک عام ہو، مسلمانوں کی غم خواری اس کا شیوہ ہو اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے۔'' (الاعتصام۔ص:۶۴۔ج:۹۱)

حضرت ابوالحسن وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور احکام شرعیہ میں اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سوائے اقتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا۔ (الاعتصام۔ص:۶۴۔ج:۱)

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ (م۲۸۳ھ) فرماتے ہیں ''بندہ جو فعل بغیر اقتداء کے کرتا ہے خواہ وہ طاعت ہو یا معصیت ہو، عیشِ نفس ہے۔ اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے وہ نفس پر عتاب و مشقت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء واتباع میں نہیں ہو سکتی۔'' نیز فرمایا' ہمارے (یعنی صوفیا کرام کے) سات اصول ہیں (۱) کتاب اللہ کے ساتھ تمسک (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع (۳) اکل حلال۔ (۴) لوگوں کو ایذاء دہی سے بچنا۔ (۵) گناہوں سے بچنا۔ (۶) توبہ کرتے رہنا۔ اور (۷) حقوق ادا کرنا۔ (الاعتصام الامام شاطبی۔ص:۶۶)

غور فرمایئے حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے جو سنہری اصول صوفیاء کرام کے

بتلائے ہیں کیا ان اصولوں پر چلنا غلط ہے یا ان اصولوں پر عمل کرنا بدعت ہے یا باطینیت کی پیدوار اور شیعیت کا علمبرار کہا جا سکتا ہے؟ جیسا کہ بعض لوگ تصوف پر اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۱۵ھ) فرماتے ہیں۔ ''بسا اوقات میرے قلب میں معارف وحقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتہ وارد ہوتا ہے۔ مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ دو عادل گواہ کتاب وسنت ہیں۔'' (الاعتصام۔ص:۶۳۔ج:۱)

حضرت شیخ احمد بن ابی الحولای رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

من عمل عملاً بلااتباع سنة فباطل عمله (الاعتصام)

ترجمہ: جو شخص اتباع سنت کے بغیر عمل کرتا ہے۔اس کا عمل باطل اور بے کار ہے۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۸) فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت و معیت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے (۱) حسن ادب (۲) دوام ہیبت (۳) مراقبہ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت و معیت اتباع سنت اور علم ظاہر یعنی شریعت پر التزام کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور اولیاء کرام کی صحبت و معیت ادب واحترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے''۔ اور فرمایا ظاہر اعمال میں سنت کے خلاف کرنا یہ باطن میں ریاء ہونے کی علامت ہے۔

حضرت ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ عالم وہ ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے اور سنتوں کی پیروی کرے اگر چہ اس کا علم تھوڑا ہی کیوں نہ ہو''۔

حضرت ابو القاسم نصر ابادی (م ۶۲۷ھ) فرماتے ہیں ''تصوف کی بنیاد کتاب

وسنت پر کار بند رہنا اور بدعات وخواہشات نفسانی کو چھوڑ دینا، مشائخ کی حرمتوں کی تعظیم کرنا، مخلوق کے اعذار کو قبول کرنا، اپنے وظیفہ پر (یعنی اعمال جس میں اول درجہ فرائض و واجبات اور سنت کا ہے) مداومت کرنا، رخصتوں اور تاویلوں کو چھوڑ دینا ہے۔'' (اعتصام ص:۶۸ ج:۱)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ) فرماتے ہیں ''صاحبزادے تیرا بدکاروں کے ساتھ رہنا تجھ کو نیکوکاروں سے بدگمانی کے اندر ڈال دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سایہ کے نیچے چل یقیناً فلاح پاؤ گے۔'' (الفتح الربّانی مترجم۔ ص: ۴۰) اور فرماتے ہیں ''اتباع سنت کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور ایجاد و بدعت سے پرہیز کرو سلف صالحین کے راستے کو لازم پکڑ و صرط مستقیم پر چلو جس میں نہ تشبیہ ہو نہ تعطیل بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع بلا تکلف بلا تصنع بلا تشدد ہو۔'' (الفتح الربّانی۔ ص: ۶۸۔ مترجم)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ھ) اپنے متبعین وخدام کو اتباع سنت کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات وآداب تک فوت نہ ہوں چنانچہ سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی واتباع پر مضبوطی وثابت قدمی دکھانی چاہیے اور کوئی مستجب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔'' (سیر الاولیاء۔ ص: ۳۱۸)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۴ھ) نے اپنے مکاتیب میں جگہ جگہ اتباع سنت پر زور دیا ہے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

فرزند! روز قیامت کام آنے والی چیز صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ صوفیاء کے حال وجد، علوم ومعارف، رموز واشارات اگر اس متابعت

کے موافق ہوں تو بہت بہتر ورنہ سراسر خرابی اور عتاب ربّانی کا سرمایہ ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ''سارے رموز وارشادات ختم ہوگئے۔ جملہ علوم و معارف ہیچ ثابت ہوئے۔ صرف ان چند رکعتوں نے کام دیا جو درمیان شب میں پڑھ لیا کرتا تھا''۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلنے کو ضروری سمجھو کیونکہ یہ برکت اور سراسر برکت ہے اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے پوری پوری طرح احتیاط برتو، نہ قولاً مخالفت ہو نہ عملاً نہ اعتقاداً کیونکہ یہ مخالفت سراسر نحوست اور بربادی ہے۔ (مکتوبات۔ ص:۷۰۔ ج:۲۔ حصہ سوم)

اس مبارک اور پسندیدہ متابعت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع) کا ایک ذرّہ دنیا کی تمام لذتوں اور آخرت کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ فضلیت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی متابعت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے اور درجہ و مرتبہ صرف اور صرف آپؐ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ مثلاً قیلولہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی نیت سے کیا جائے، وہ ان کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہوں عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھنا جس کا شریعت نے حکم فرمایا ہے، ابد لآباد روزے رکھنے سے افضل ہے۔ حکم شارع کے مطابق ایک روپیہ خرچ کرنا اپنی مرضی سے سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے افضل ہے۔ ایک روز امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر نمازیوں کو دیکھا تو ایک صاحب کو نہ پایا، ان کے متعلق استفسار کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا وہ شخص ساری رات شب بیداری

میں گزارتا ہے، ہوسکتا ہے ان وقت نیند غالب آگئی ہو اور سو گیا ہو۔ امیر المومنین نے فرمایا اگر وہ شخص ساری رات سوتا رہتا لیکن فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا تو یہ بہتر تھا۔

اہل ریاضت بہت کچھ مجاہدے کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ شریعت حقہ کے موافق نہیں ہیں اس لئے سب بے کار و بے سود ہیں۔ اگر ان اعمال شاقہ پر کوئی اجر بھی مرتب ہوتا ہے تو وہ بھی صرف دنیاوی۔ دنیا کا کوئی نفع تو درکنار ساری دنیا بے حقیقت ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال بھٹی جیسی ہے اس کی ریاضت و محنت سب سے زیادہ مگر اس کی اجرت سب سے کم ہے۔ اور شریعت مطہرہ کے پیرو گویا جوہری اور صرّاف ہیں کہ ان کا کام بہت کم ہے لیکن نفع بہت زیادہ۔ ان کی ایک گھڑی کا عمل ہوسکتا ہے کہ ہزار گھڑیوں کے اجر کے برابر ہو جائے۔ راز یہ ہے کہ جو فعل شریعت کے موافق ہوگا، وہ خداوند عالم کا پسندیدہ ہوگا اور اس کے خلاف ناپسند ہوگا۔ پس ناپسندیدہ عمل پر کیا ثواب مل سکتا ہے بلکہ وہ تو موجب عقاب و عتاب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام سعادتوں کا سرمایہ اتباع سنت ہے اور جملہ خرابیوں کا ہیولا شریعت کی مخالفت ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ''عبادات و عادات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن و منور سنت کی اتباع لازم و ضروری ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جو چیز بھی آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کے خلاف ہے وہ باطل و بے کار ہے۔ جو چیز بھی لوگوں نے دین میں ایجاد کر لی ہے، جس نے بھی کی ہے اگر اس چیز سے سنت کی تبدیلی اور اس کی مخالفت لازم آتی ہو خواہ وہ مخالفت قولاً یا عملاً یا اعتقاداً ہو وہ گمراہی ہے اور مردود ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے بھی ہمارے اس امر (یعنی دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی وہ رد ہے۔

نیز فرمایا دین میں ایجاد کی جانے والی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو دل بدعت میں گرفتار ہو اس میں ہرگز ہرگز نورِ ولایت نہیں ہوسکتا۔

قارئین کرام ہم نے یہ چند اقوال اکابر صوفیاء کرام کے محافظت شریعت اور متابعت سنت کی تلقین و ہدایت سے متعلق ذکر کیے ہیں۔ طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو مزید اقوال بھی نقل کیے جاسکتے تھے۔ صوفیاء کرام کے ان اقوال پر غور فرمایئے انہوں نے کس قدر صاف صاف فرمادیا ہے کہ ہمارا مذہب کتاب وسنت کے اصولوں کا پابند ہے۔ تصوف کی اساس و بنیاد کتاب وسنت پر کاربند رہنا ہے۔ سلوک وطریقت کی راہ وہی شخص پاسکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ آخرت میں کام آنے والی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ اب ایک طرف ان اقوال کو لیجئے اور دوسری طرف زمانہ حال کے ناقدین کو لیجئے جو تحقیق و تفتیش کے سارے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر خود ساختہ محقق اور سکالر بنے ہوئے ہیں آنکھوں پر تعصب کی عینک لگا کر اپنے عیوب سے اندھے ہو کر اپنی سستی شہرت حاصل کرنے کیلئے یہ زہر پھیلا رہے ہیں کہ معاذ اللہ صوفیاء کرام شریعت کے خلاف باطنیت کی پیداوار اور شیعیت کے علمبردار ہیں سوچنے کا مقام ہے کہ جو اپنا مذہب کتاب وسنت کے اصولوں کا پابند بناتے ہوں، تصوف کی اساس و بنیاد کتاب وسنت پر کاربند رہنے کو قرار دیتے ہوں ان میں اور باطنیت کے پیروکاروں، شیعیت کے علمبرداروں میں کسی قسم کی کوئی مماثلت پائی جاسکتی ہے؟ جس کی بنا پر صوفیاء کرام کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ ہم بات کو طول دینے کے بجائے قارئین پر چھوڑتے ہیں وہ خود فیصلہ کریں کہ ناقدین تصوف کس حد تک حق بجانب ہیں۔

☆☆☆☆☆